ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

محمد شہباز
اسکالر پی ایچ ڈی اردو / لیکچرار شعبۂ اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور

سحرِ یوسفی کا نقشِ اوّل: چراغ تلے

Muhammad Shahbaz
Scholar PhD Urdu/ Lecturer, Department of Urdu, Government Islamia College, Civil Lines, Lahore.

The First Imprint of Yousufi's Magic: "CHIRAG TALEY"

In certain respects, Mushtaq Ahmad Yousufi's name stands apart from his contemporaries as far as tradition of Urdu humour and satire is concerned. A ready proof of it is the fact that with publication of his maiden effort, "Chirag Taley" he gained attention of readers which has held ever since. Without a doubt the aforementioned writing of Yousufi is a credible and cherished asset of Urdu literature. In this article the writer has tried to decipher from a critical and research perspective, and analysis of Yousufi's"Chirag Taley."
Key Words: *Mushtaq Ahmad Yousufi, Chirag Taley, Satire and Humor, Self directed humor, Essay, Sketch.*

اِس امر میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ مزاح نگاری ادب کا نسبتاً دشوار گزار تخلیقی عمل ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر ادب میں طنز و ظرافت کا رجحان دیگر اصناف کے مقابلے میں قدرے کم کم دکھائی دیتا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورتِ حال اُردو ادب میں بھی پائی جاتی ہے۔[۱] اِسی لیے کہا جاتا ہے کہ اُردو زبان میں صحیح ظریفانہ ادب کی قابلِ افسوس حد تک کمی ہے۔[۲] دنیا کی ہر زبان میں طنز و مزاح کی ادبی روایت اُس زبان کے تہذیبی و تاریخی رجحانات کی عکاس ہوتی ہے۔ جوں جوں زبان ترقی سے ہم آہنگ ہوتی چلی جائے، اُسی قدر اُس زبان کا ادبی سرمایہ ترفّع کی منازل طے کرنے لگتا ہے۔ اِسی چیز کو اگر اُردو ادب کے طنزیہ و مزاحیہ ادب کے تہذیبی و تاریخی پس منظر میں تلاش کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ برصغیر پاک وہند کی ادبی وراثت منزل بہ منزل زیادہ پُروقار اور فنی حوالے سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی ہے۔ اِس تناظر میں دیکھا جائے تو اُردو کے طنزیہ و مزاحیہ ادب کی روایت میں مشتاق احمد یوسفی کا نام معدودے چند اُن تخلیق کاروں میں شمار کیا جاتا ہے، جنھوں نے اپنی بے پناہ فطری صلاحیتوں

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

اوراعصاب شکن ریاضت کی بہ دولت ایک ایسا ادب تخلیق کیا، جو اُنھی کی ذات سے منسوب ہے۔ اُن کی تحریریں اپنے دیگر معاصرین کے مقابلے میں نہ صرف انفرادیت کی حامل ہیں، بل کہ فکر و خیال اور اُسلوبِ بیان کے ضمن میں بھی اُنھیں تفوّق وانفرادیت کا درجہ حاصل ہے۔ اِس کی بنیادی وجہ طنزیہ ومزاحیہ ادب پر اُن کی غیر معمولی گرفت ہے، جس کے طفیل اُنھوں نے اپنی تخلیقات کو گلزارِ لطف وانبساط بنادیا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی کا کُل ادبی سرمایہ پانچ کتابوں کو محیط ہے، جن میں پہلی دو کتابیں "چراغ تلے" (۱۹۶۱ء) اور "خاکم بدہن" (۱۹۶۹ء) خاکوں اور مضامین پر مشتمل ہیں، جب کہ "زرگزشت" (۱۹۷۶ء) اور "آبِ گم" (۱۹۹۰ء) میں مواد کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے طنزومزاح کے رنگوں کو تہذیبی و تاریخی سطح پر عمیق نظری اور وسعتِ قلبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جب کہ "شامِ شعرِیاراں" (۲۰۱۴ء) مختلف مواقع پر پڑھی جانے والی تقاریر اور خطبات سے آراستہ یوسفی کی منظرِ عام پر آنے والی آخری کتاب ہے۔ یوسفی کی ادبی زندگی کے آغاز وارتقا کے پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو یہ سوال بڑی شدّت سے دامن گیر ہوتا ہے کہ طنزومزاح کا جوہر اُن کی طبیعت میں کب اور کہاں سے آیا۔ اِس سوال کا جواب یوسفی ہی کی زبانی سنیے:

> "اب یہ کہنا میرے لیے دشوار ہے کہ میری طبیعت میں یہ رجحان کیوں تھا۔ ہاں صرف اتنا یاد ہے کہ میری والدہ کی حسِ مزاح بہت تیز تھی۔ اُن کے فقرے اور جملے بہت خوب ہوتے تھے۔ گویا بذلہ سنجی اُن کے مزاج کا حصّہ تھا۔"(۳)

یہی وہ گھریلو ماحول تھا، جس میں یوسفی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ اُنھیں بچپن ہی سے طنزومزاح سے فطری مناسبت تھی، جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُنھوں نے نویں جماعت سے ہی اپنے اسکول میگزین میں طنزیہ ومزاحیہ مضامین لکھنے شروع کر دیے تھے۔ دسویں جماعت پاس کرنے سے پہلے ہی اُن کا ایک مضمون دہلی کے کسی غیر معروف اخبار(۴) میں چھپ چکا تھا، تاہم فرسٹ ائیر تک آتے آتے اُنھوں نے طبع زاد افسانے لکھنے شروع کر دیے تھے۔(۵) علاوہ ازیں زمانہ طالب علمی کے دوران اُن کے کئی مضامین اور افسانے لاہور سے شائع ہونے والے مختلف رسائل کی زینت بنے، مگر اُن کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ اُنھوں نے اپنی ابتدائی ادبی کاوشوں کے بارے میں ایک انٹرویو کے دوران وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اُن کا:

> "پہلا مضمون جو تھا وہ طنزیہ ہی تھا۔ اس کے بعد نیم طنزیہ، نیم رومانی افسانے لکھنے شروع کیے اور پھر آخر میں شفیق الرحمن کی طرز پر لکھنے کی کوشش کی۔۔۔اس سے پہلے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کے میرے لکھے ہوئے افسانے تھے، طالب علمی کے زمانے کے وہ لاہور ہی کے رسائل
میں چھپتے رہے۔ اب میں ان رسالوں کی یا ان افسانوں اور مضامین کے نام اور تفصیلات
اِس لیے نہیں بتاتا کہ اب وہ گم نامی میں دفن ہی رہیں تو بہتر ہے بہر حال وہ کافی تعداد
میں چھپے۔"(۶)

یوسفی ابتداً شفیق الرحمن کی ادبی تخلیقات سے بہت متاثر تھے۔ خاص طور پر شفیق الرحمن کے ایک افسانے "چاکلیٹ" کا اُن کے ذہن پر اِس قدر اثر ہوا کہ مرعوبیت میں آکر اُنھوں نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۵ء تک کے درمیانی عرصے میں عملاً لکھنا اِس لیے ترک کر دیا کہ وہ شفیق الرحمن ایسا مزاح نہیں لکھ سکتے، لیکن بعد میں اُنھوں نے اپنے خیالات پر نظرِ ثانی (Re Visit) کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اگر وہ اُن ایسا نہیں لکھ سکتے تو کم از کم وہ اپنی طرح کا تو لکھ ہی سکتے ہیں۔ یوں اُن کی ادبی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔(۷) یوسفی کی شناخت بننے والا پہلا مزاحیہ مضمون "صنفِ لاغر" تھا، جو بعد ازاں اُن کے پہلے مجموعے "چراغ تلے" کا حصّہ بنا۔ یوسفی نے مذکورہ مضمون اُس وقت کے مؤقر ادبی جریدے "ادبِ لطیف" کو ارسال کیا، مگر مدیرِ مجلّہ مرزا ادیب (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۹ء) نے بہ ذریعہ خط اُن سے معذرت کی اور اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ چوں کہ اُن کا مضمون کسی بھی طرح کے مرکزی خیال کے تاثر سے تہی ہے، اِس لیے وہ اسے شائع نہیں کر سکتے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یوسفی کی اوّلین تحریر آج کل کے انتخابی کاغذاتِ نامزدگی کی طرح مسترد کر گئی۔(۸) اُنھیں یہ جان کر بہت صدمہ ہوا، تاہم بعد میں اُنھوں نے مذکورہ مضمون بارِ دگر لاہور میں ایک دوسرے ادبی مجلے "سویرا" کو بھیج دیا۔ مضمون روانہ کرنے کے ایک ہفتہ کے دوران ہی یوسفی کو "سویرا" کے مدیر نام ور صحافی، مصوّر اور سیاست کار حنیف رامے (۱۹۳۰ء۔۲۰۰۶ء) کا خط موصول ہوا، جس میں "صنفِ لاغر" کی مناسب انداز میں پذیرائی کی گئی تھی۔ اِس طرح یوسفی کا یہ ابتدائی مضمون ۱۹۵۵ء میں ماہ نامہ "سویرا" لاہور کی زینت بنا۔ یوں "سویرا" لاہور کے علاوہ ہفت روزہ "نصرت" لاہور اور ماہ نامہ "افکار" کراچی میں پے در پے اُن کے آٹھ(۹) مضامین شائع ہوئے۔ اِنھی آٹھ مضامین کی جمع آوری، قطع و برید اور تراش خراش کے بعد مکتبۂ جدید لاہور(۱۰) کی طرف سے ۱۹۶۱ء میں "چراغ تلے" کا ظہور ہوا۔ اِس ضمن میں یہ امر انتہائی قابلِ غور ہے کہ نہ صرف "چراغ تلے" کا ڈول ماہ نامہ "افکار" کراچی کے دفتر میں ڈالا گیا تھا(۱۱)، بل کہ "افکار" کے مدیرِ اعلیٰ اور معروف شاعر صہبا لکھنوی (۱۹۱۹ء۔۲۰۰۲ء) کا دعویٰ ہے کہ "چراغ تلے" کا نام بھی اُنھی کا تجویز کردہ

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہے۔(۱۲)، لیکن پروفیسر سحر انصاری کا کہنا ہے کہ یوسفی کی شخصیت و مزاج کا تجزیہ کرتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ صہبا لکھنوی کا بیان درست معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔(۱۳)

اِس تصنیف میں دیباچے سمیت کل تیرہ مزاح پارے ہیں، جن میں ندرتِ موضوعات کے ساتھ ساتھ فکری تنوّع کا جوہر بھی قاری کی توجہ کو اپنی جانب راغب کرتا ہے۔ بعض ناقدین نے اِن تحریروں کو انشائیے قرار دیا ہے، تاہم بعض ناقدین نے اِن مضامین کی انشائی حیثیت کو چیلنج کرتے ہوئے کہا ہے کہ یوسفی کی یہ تحریریں انشائیے نہیں، بل کہ ظریفانہ مضامین ہیں۔(۱۴) اِس سلسلے میں ڈاکٹر وزیر آغا کا کہنا ہے:

"بعض لوگوں نے انھیں انشائیہ نگار بھی کہا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اُن کے مضامین مزاحاًطنزیہ ومزاحیہ ہیں ۔بحیثیتِ مجموعی یہ کہاجاسکتاہے کہ اُن کے مضامین میں طنزومزاح کاایک نہایت خوش گوار امتزاج وجود میں آیاہے، جس کے باعث وہ اُردو کے بہترین طنزومزاح نگارادیبوں کی صف میں شامل ہوچکے ہیں۔"(۱۵)

جب کہ اِس ضمن میں یوسفی بہ ذاتِ خود اِن تحریروں کو "کھٹ مٹھے مضامین" قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اِن مضامین اور خاکوں کو پڑھ کر اگر کوئی صاحب نہ مسکرائیں تو اُن کے حق میں یہ فالِ نیک ہے، کیوں کہ اِس کا مطلب ہے کہ وہ خود مزاح نگار ہیں۔"(۱۶)

یوسفی کے اِس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک اِس کتاب میں شامل تحریریں مضامین اور خاکے ہیں، تاہم اتنا ضرور ہے کہ کتاب میں شامل کم و بیش تمام تحریروں میں صنفِ انشائیہ کے بعض اجزا نہ صرف اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں، بل کہ کہیں کہیں یوسفی کی مزاح نگاری کو پیچھے دھکیل کر اُن کی تحریروں میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں، مگر اصلاً یوسفی کی یہ تحریریں بہ قول مصنف "کھٹ مٹھے مضامین اور خاکے" ہی ہیں۔ کتاب کے عنوان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسفی نے اِس کتاب کا عنوان ایک اُردو محاورے کی کوکھ سے کشید کیا ہے۔ پورا محاورہ "چراغ تلے اندھیرا" استعمال کرنے کے بجائے اُنھوں نے "چراغ تلے" کا مختصر عنوان باندھ کر اپنے قارئین کو فکر و تدبر کی دعوت دی ہے اور لگتا یہی ہے کہ مصنف نے ایسا شعوری طور پر کیا ہے، تا کہ پڑھنے والا عنوان کے اُدھورے پن کو نہ صرف مکمل کرے، بل کہ صاحبِ کتاب کے باطنی جذبات و کیفیات اور فکر و تخیل کے عمل کا ساجھی دار بھی بن جائے۔ بادی النظر میں عنوان کی اختصاریت دیکھ کر قاری کو معاًیہ احساس

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہوتا ہے کہ صاحبِ کتاب کسی حد تک کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے اپنی ذات کو نشانۂ ہدف بنا رہا ہے، دوسرے قاری کا بھٹکتا ہوا تخیل یہ بھی گمان کرنے لگتا ہے کہ کہیں یہ اُدھورا عنوان مصنف کی محرومیوں کا استعارہ ہی نہ ہو، یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صاحبِ کتاب اِس اُدھورے عنوان کی معنویت قاری کے ذہن وخیال میں پیدا کر کے اُس کی اصلاح کرنا چاہتا ہو۔ مختصر یہ کہ اِس کتاب کا عنوان مصنف کی نفسیات کا مکمل اظہار ہے۔

اِس مجموعے میں "پہلا پتھر" کے عنوان سے ایک "بہاریہ مقدمہ"[(۱۷)] بھی شاملِ کتاب ہے، جو یوسفی کا ایک معرکہ ہے[(۱۸)]، جس کی اپنی ذاتی وانفرادی حیثیت کسی مضمون سے کم نہیں۔ مشتاق احمد یوسفی نے اِس مقدمے کو بہ ذاتِ خود سپردِ قلم کیا ہے۔ یہ پیش لفظ جراتِ اظہاراور سچائی کی بہترین مثال ہے، جو یوسفی کی اپنی ذات اور اپنی تحریر پر مکمل اعتماد کا واضح ثبوت فراہم کرتا ہے۔[(۱۹)] "پہلا پتھر" کی صورت میں خود اپنا مقدمہ لکھنے اور خود کو رُوشناس کروانے کا یہ ایک بالکل اچھوتا انداز ہے[(۲۰)]، جو یوسفی کی جدّتِ طبع اور ندرتِ خیال کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ اِس ضمن میں یوسفی فرماتے ہیں:

> "اپنا مقدمہ بقلم خود لکھنا کارِ ثواب ہے کہ اس طرح دوسرے جھوٹ بولنے سے بچ جاتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ آدمی کتاب پڑھ کر قلم اُٹھاتا ہے۔ ورنہ ہمارے نقاد عام طور سے کسی تحریر کو اس وقت تک غور سے نہیں پڑھتے جب تک انھیں اس پر سرقے کا شبہ نہ ہو۔"[(۲۱)]

کتاب کے معنی خیز عنوان کی طرح مقدمہ کا عنوان بھی اپنے باطن میں گہری معنویت لیے ہوئے ہے۔ یہ عنوان نہ صرف مصنف کی ذات کے مکاشفہ کے لیے اہم ہے، بل کہ یوسفی نے اِس عنوان کو بہ طور ایک مذہبی تلمیح کے استعمال کر کے اپنی فکرِ رسا کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ "پہلا پتھر" کی تلمیح کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ دو چاہنے والوں کو اختلاط وزنا کے الزام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رُوبرو پیش کیا گیا اور اُن دونوں کو سنگ سار کرنے کی اجازت طلب کی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہری سوچ بچار کے بعد حاضرین کو سنگ بازی کی مشروط اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ سنگ سار کرنے کے لیے پہلا پتھر وہ شخص اُٹھائے گا، جس نے زندگی میں کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ اِس صورتِ حال میں ایسے فرشتہ صفت انسان کا دست یاب ہونا کارِ مشکل ہی نہیں کارِ ناممکن بھی تھا۔ اِس پس منظر میں "پہلا پتھر" کی تلمیح اِس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ طنز و مزاح کا فن بھی بڑی جان جوکھوں کا کام ہے، پتّا پانی ہو جاتا ہے، تب کہیں جا کر گوہرِ مقصود ہاتھ لگتا ہے۔

یوسفی کے اِس مقدمہ میں بذلہ سنجی (Wit) کے علاوہ طنز و مزاح کی تعریف، مقاصد اور ذمہ داریوں کا تذکرہ کسی قدر دانش ورانہ پیرائے میں کیا گیا ہے۔ ایک بڑے مزاح نگار کا وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں پر طنز و مزاح کے دندانِ آز تیز کرنے کے بجائے اپنی ذات کو نشانۂ ہدف بناتا ہے۔ چوں کہ یوسفی نے "چراغ تلے" کے دیباچے میں اپنی ذات کشائی کا عمل بہ خوبی روا رکھا ہے، اِس لیے زیرِ بحث مقدمہ کو جزوی سطح پر اُن کا ذاتی خاکہ بھی کہا جاسکتا ہے۔[۲۲] یوں بھی دوسروں کا مضحکہ اُڑانے سے کہیں بہتر خود پر ہنسنا ہے اور یوسفی خود پر چوٹ کرنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ اُنھیں جب کہیں موقع ملتا ہے، وہ خود کو تختۂ مشق بنا کر قاری کا دل بہلاتے ہیں:

"پیشانی اور سر کی حدِ فاصل اُڑ چکی ہے، لہٰذا منہ دھوتے وقت یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں۔ ناک میں بذاتہ قطعی کوئی نقص نہیں ہے، مگر بعض دوستوں کا خیال ہے کہ بہت چھوٹے چہرے پر لگی ہوئی ہے۔"[۲۳]

مقدمہ کے بعد یوسفی نے زیرِ بحث مجموعے میں پڑیے گر بیمار، کافی، یادش بخیر، موذی، سنہ، جنونِ لطیفہ، چارپائی اور کلچر، اور آنا گھر میں مرغیوں کا، کرکٹ، صنفِ لاغر، موسموں کا شہر اور کاغذی ہے پیرہن ایسے موضوعات پر بارہ کھٹ مِٹھے مضامین اور خاکے پیش کیے ہیں، جن میں طنز اور مزاح دونوں کی بہ کثرت مثالیں موجود ہیں۔ آئندہ سطور میں فرداً فرداً ہر مضمون کا جائزہ پیش ہے:

بیماری ہمیشہ سے ہی ادب کا من پسند موضوع رہا ہے۔ اِس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ برطانیہ کی عالم گیر شہرت کی حامل مصنفہ ورجینیا وولف (Virginia Woolf)(۱۸۸۲ء۔۱۹۴۱ء) نے "On Being ill" یعنی "بیمار پڑنے" کے موضوع پر ایک انشائیہ لکھا ہے، جس میں اُس نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ محبت، حسد اور جنگ کی طرح بیماری کو بھی ادب کا موضوع ثابت کیا جائے۔ اِس امر میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ اعضائے انسانی بھی کل پرزوں کی طرح خستہ و خراب ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ معلوم انسان صاحبِ فراش ہو کر کئی دنوں کے لیے بستر پر دراز ہو جاتا ہے۔ نصیبِ دشمناں علیل ہونے کی صورت میں عزیز و اقارب اور دوست احباب مشرقی روایت کی پاس داری کرتے ہوئے بہ غرضِ عیادت بیمار شخص کی حوصلہ افزائی کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ چوں کہ ہمارے ہاں مریض کی عیادت کرنے والے مختلف النوع اندازِ بیمار پُرسی سے علیل شخص کو زچ کرنے کے ساتھ ساتھ نئے سے نئے امتحان میں ڈال دیتے ہیں، اِس لیے یوسفی کا کہنا ہے کہ ایسے ہی تیمارداروں کے خوف سے بیمار پڑنے کو جی نہیں چاہتا، بل کہ اگر کبھی انسان بیمار ہو بھی جائے تو ایسے عیادت خواروں کے خوف سے تن

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

درستی کا بہانہ کرتے ہوئے، یعنی خود کو بھلا چنگا صحت مند ظاہر کر کے گلو خلاصی کرانا پڑتی ہے، تاکہ مذکورہ بیمار پرسوں کے شر سے بچا جا سکے۔ بیمار پُرسی کی اِسی سماجی و تہذیبی روایت کو یوسفی نے مزاح کے انداز میں اپنے مضمون "پڑیے گر بیمار" میں پیش کیا ہے، جسے پڑھ کر قاری اپنی تہذیب کے مذکورہ بالا نقائص کو شدّت سے محسوس کرنے لگتا ہے اور اِسی مقام پر آکر ایک مزاح نگار کا اصل مقصد بھی اپنے انجام کو پہنچتا ہے کہ وہ سماجی و تہذیبی بوالعجبیوں اور انسانی شخصیت کی کج رویوں کی بیخ کنی کا موجب بنے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یوسفی نے اپنی تہذیبی و ثقافتی وراثت سے محض والہانہ محبت کا اظہار ہی نہیں، بل کہ اپنی تہذیب کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اُس کی اُن خامیوں کو بھی کھلے دل سے بیان کیا ہے، جو اُس عہد کے معاشرے کا حصّہ تھیں، مگر دل چسپ امر یہ ہے کہ منفی اقدار و روایات پر طنز کے نشتر چلاتے ہوئے اُنھوں نے مزاح کے شوخ رنگوں کو مدھم نہیں پڑنے دیا۔[۲۴]

یہ مضمون مریض اور تیمار دار کے باہمی اختلاط سے منصۂ شہود پر آنے والی کٹھن صورتِ حال کی داستان ہے، جس میں یوسفی نے مریض کی طرزِ عیادت کے حوالے سے بتایا ہے کہ جب حساسیت کی دولت سے مالا مال مصنف ایسا شخص بیمار پڑتا ہے تو پھر تیمار داری کے نتیجے میں نت نئے واقعات جنم لیتے ہیں، جن کی وجہ سے بعض اوقات بیمار شخص کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ کسی بیمار کی عیادت اسلامی معاشرے کا ایک ایسا مہذّب عمل ہے، جس سے مریض کی نہ صرف ڈھارس بندھتی ہے، بل کہ صاحبِ فراش مایوسی کی کیفیت سے باہر نکل کر خود کو ہشاش بشاش محسوس کرنے لگتا ہے۔ یوں تیمارداری کرنا افرادِ معاشرہ میں باہمی محبت و موانست کے جذبات کو فروغ دیتا ہے، لیکن جب یہی مذہبی یا انسانی جذبہ فیشن کی زد میں آجائے تو بیمار شخص کی حوصلہ افزائی کے بجائے مریض کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ اِسی آپ بیتی کو یوسفی نے جگ بیتی بنا کر پیش کیا ہے۔[۲۵] "پڑیے گر بیمار" دراصل نام نہاد تیمار داروں اور مزاج پرسی کرنے والوں کا خاکہ ہے،[۲۶] جو مریض کی عیادت کرنے کے بہانے اُس کے لیے وبالِ جان بن جاتے ہیں۔ اِس مضمون میں عیادت کرنے والوں کا مزاحیہ انداز میں مذاق اُڑایا گیا ہے کہ کس طرح وہ اپنے نئے نئے مشوروں، غیر ضروری تجربات اور دل دہلا دینے والے اندیشوں کے ذریعے مریض کو "اندیشہ ہائے دور دراز" میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یوسفی نے اِس مضمون میں ہر بیمار پڑنے والے کے دل کی بات کہی ہے اور ہر تیمار دار کو اپنے روّیے کا جائزہ لینے کے لیے مجبور کر دیا ہے۔[۲۷]

ہمارے سماج میں اکثر و بیشتر فضول قسم کے مشاغل یا عادات کو قابلِ فخر محسوس کیا جاتا ہے، جیسے کافی کو کہیں تو مہمان نوازی اور کہیں شغل بازی کے طور پر زندگی کا ناگزیر جزو بنا لیا گیا ہے، بل کہ بعض اوقات تو اِس

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کا استعمال اِس طرح کیا جاتا ہے، جیسے خدانخواستہ باقاعدگی سے دوا استعمال کی جاتی ہے۔اِس قماش کی دیگر قبیح عادات میں پان اور چھالیہ حتیٰ کہ شراب ایسی لغو اشیا بھی شامل ہیں۔ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی بعض لوگ اِس نوع کی اشیا کو بہ طورِ فیشن استعمال کرنے لگتے ہیں۔اِسی چیز کے پیشِ نظر یوسفی نے اپنے مضمون "کافی" (۲۸) کے ارتقا اور اس کے مضر اثرات کو مکالماتی انداز میں بہ صراحت بیان کیا ہے۔خاص طور پر مصنف کا کافی سے بے زاری کا احوال انتہائی دل چسپ اور پُر مزاح صورتِ حال کو فروغ دیتا ہے، بل کہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کافی کی تنقید و تنقیص کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔یوسفی نے کافی کے ساتھ ساتھ اپنے مشرقی مشروبات،یعنی ستو،یخنی اور فالودہ کی اہمیت اُجاگر کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔کافی کے بارے میں اپنی پیش کی گئی آرا کو مدلل اور پُر تاثیر بنانے کے لیے اُنھوں نے رواں عبارت میں جو اشعار، مصرعے اور شعری تراکیب چست کی ہیں،اُن سے زیرِ مطالعہ مضمون میں ایک طرح کی تازگی و شگفتگی کا عنصر در آیا ہے، گویا یوسفی نے قدیم شعری صنفِ ہجو کے انداز میں کافی کی مذمت میں یہ نثری ہجو لکھی ہے، جس میں اُنھوں نے کافی نوشی کی مذمت میں ایسے ایسے دلائل پیش کیے ہیں، جنھیں پڑھ کر کافی پینے والے کافی کے نام سے نفرت کرنے لگیں گے:

> "میں نے دیکھا ہے کہ شراب پی کر سنجیدہ حضرات بے حد غیر سنجیدہ گفتگو کرنے لگتے ہیں جو بہت جان دار ہوتی ہے۔بر خلاف اس کے کافی پی کر غیر سنجیدہ لوگ انتہائی سنجیدہ گفتگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مجھے سنجیدگی سے چڑ نہیں بل کہ عشق ہے۔اسی لیے میں سنجیدہ آدمی کی مسخرگی برداشت کر لیتا ہوں، مگر مسخرے کی سنجیدگی کا روادار نہیں۔شراب کے نشے میں لوگ بلاوجہ جھوٹ نہیں بولتے۔کافی پی کر لوگ بلاوجہ سچ نہیں بولتے۔ شراب پی کر آدمی اپنا غم اوروں کو دیتا ہے، مگر کافی پینے والے اوروں کے فرضی غم اپنا لیتے ہیں۔ مدہوش ہونے کے بعد مے خوار ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال دیتے ہیں۔کافی پی کر حلیف بھی حریف بن جاتے ہیں۔"(۲۹)

"یادش بخیر" کی اصطلاح فی الاصل یوسفی نے Nostalgia کے ترجمے کے طور پر وضع کی ہے۔ناسٹیلجیا یوسفی کا محبوب ترین موضوع ہے۔یوں بھی عمرِ گذشتہ کی مدح میں رطب اللسان ہونا انسان کو ہمیشہ سے ہی مرغوب رہا ہے۔خاص طور پر بچپن اور جوانی کے ادوار تو گویا انسان کو قدم قدم پر روک کر پوچھتے ہیں کہ کہیں ہمیں بھول تو نہیں گئے۔مذکورہ دونوں ادوار کی یادیں خاص طور پر بڑھاپے میں انسان کو دیوانہ کیے رکھتی ہیں۔اِس مضمون میں

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

زندگی سے راہِ فرار اختیار کر کے ماضی کی کال کوٹھری میں پناہ گزین ایسے افراد جو حال کی روشنی سے حد درجہ خوف زدہ رہتے ہیں اور ماضی کی دل فریب یادوں سے چھٹکارا پانے کی سعی نہیں کرتے، اُن کا خاکہ اُڑایا گیا ہے۔اِس تحریر میں ناسٹیلجیائی کیفیات اور اُس کے نتیجے میں رونما ہونے والے سماجی نوعیت کے مضر اثرات کو مصنف کی جانب سے کمال ہنر مندی سے پیش کیا گیا ہے۔ماضی پرست لوگ نہ صرف اپنے حال سے غیر مطمئن رہتے ہیں، بل کہ اپنے مستقبل کو زمانۂ ماضی میں ذہنی طور پر اٹکے رہنے کی وجہ سے تاریک کر دیتے ہیں۔ناسٹیلجیا پرست افراد بالعموم نئے دور کی تمام تر ترقیات سے گریز کرتے ہوئے ماضی کے مزاروں میں زندگی کرنا پسند کرتے ہیں۔اِس نوع کے افراد ماضی کی یادوں بھری گود میں سوئے رہتے ہیں ،اِس لیے مصنف کی رائے میں ایسے افراد کی نہ صرف شخصیت کی نشوونما متاثر ہوتی ہے، بل کہ ناسٹیلجیائی اندازِ فکر کے سبب اُن کی زندگی پر منفی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔اِسی موضوع پر یوسفی نے "یادش بخیر" ایسے مضمون کا محل تعمیر کیا ہے۔مصنف کی جانب سے اِس مضمون میں یہ بات باور کرانے کی سعی کی گئی ہے کہ ماضی پرستی انسان کی ترقی وخوش حالی کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔اِس مضمون میں یوسفی نے آغا تلمیذ الرحمن چاکسوی کے کردار کے ذریعے سماج میں موجود ایسے طبقے کا مضحکہ اُڑایا ہے، جو ماضی پسندی میں گرفتار ہونے کی وجہ سے مستقبل کو اہمیت نہیں دیتا:

> " قاعدہ ہے کہ کوئی دور اپنے آپ سے مطمئن نہیں ہوتا۔ آج آپ اکبرِ اعظم کے دور کو یاد کر کے روتے ہیں۔لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اکبر کے عہد میں ہوتے تو علاؤالدین خلجی کے وقتوں کو یاد کر کے آب دیدہ ہوتے۔اپنے عہد سے غیر مطمئن ہونا بجائے خود ترقی کی نشانی ہے۔"(۳۰)

اپنی تحریر "موذی" میں سگریٹ نوشی کے حوالے سے یوسفی نے مرزا کی زبانی عجیب و غریب تاویلات کے ذریعے طنزوظرافت کی بساط بچھائی ہے۔یوسفی کے نزدیک اگر انسان سگریٹ نوشی کی عادت کو ترک کرنا بھی چاہے تو وہ کوششِ بسیار اور لاکھ جتنوں کے باوجود بھی اِس موذی بیمار ی سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔دوسرے سگریٹ نوشی ایک ایسی سرگرمی ہے، جس میں صحت کے ساتھ ساتھ انسانی سرمایہ بھی ضائع ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یوسفی نے اِس مضمون میں تمباکو نوشی کے مضر اثرات کو موضوع بنا کر ہنسنے ہنسانے کا اہتمام کیا ہے۔اُنھوں نے اِس سنجیدہ و متین موضوع کو بھی اپنے اُسلوبِ بیان کی بہ دولت گل وگلزار بنادیا ہے۔اِس مضمون میں مرزا کی تمباکو نوشی کی عادت کو بار بار ترک کرنے اور بارِ دگر اپنا لینے کی عادت کو انتہائی پُر لطف انداز میں پیش کیا

گیا ہے۔یوسفی نے سگریٹ اور تمبا کو نوشی کو ڈھال بنا کر ایسے ایسے جملے تراشے ہیں کہ طنز کے وار کی گہرائی اور گیرائی ماپنا سچ مچ جوئے شیر لانے سے کم معلوم نہیں ہوتا۔اِس مضمون میں حکومت کی دوغلی پالیسی کو بھی طنز کا ہدف بنایا گیا ہے۔وہ اِس لیے کہ ایک طرف تو حکومت سگریٹ کے مضر اثرات کا انتباہ سگریٹ کی ڈبیا پر قانونی طور پر چھپواتی ہے اور دوسری جانب سگریٹ ساز کمپنیوں کو کھلے بندوں سگریٹ بنانے اور فروخت کرنے کا لائسنس بھی جاری کر دیتی ہے۔زیرِ نظر مضمون اِسی نوع کے منافقانہ روّیے کی پردہ دری کا نقیب ہے۔سگریٹ نوشی کے مہلک اثرات پر گفتگو کرتے ہوئے صاحبِ مضمون نے دیکھیے ایک ہی جملے میں معیشت اور گھریلو ذمہ داریوں کو کس طرح آئینہ کر دیا ہے۔اِس ضمن میں یوسفی لکھتے ہیں:

> "مہینوں وہ یہ ذہن نشین کراتے رہے کہ سگریٹ پینے سے گھریلو مسائل پر سوچ بچار کرنے میں مدد ملتی ہے اور جب ہم نے اپنے حالات اور ان کی حجت سے قائل ہو کر سگریٹ شروع کر دی اور اس کے عادی ہو گئے تو انھوں نے چھوڑ دی۔ کہنے لگے، بات یہ ہے کہ گھریلو بجٹ کے جن مسائل پر سگریٹ پی پی کر غور کیا تھا وہ دراصل پیدا ہی کثرتِ سگریٹ نوشی سے ہوئے تھے۔"(۳۱)

تاریخ کا مضمون پڑھنے اور پڑھانے کے حوالے سے "سنہ" مشتاق احمد یوسفی کی یہ ایک عمدہ تحریر ہے۔تاریخ کے بارے میں جاننا تو خیر ایک ضروری امر ہے، مگر یہ سوال آج بھی منہ کھولے ایستادہ ہے کہ مشاہیر عالم کی حیات و ممات کی تواریخ ازبر کرنے میں کون سے فوائد مضمر ہیں۔یہ سوال تاریخ کے ہر طالب علم کی زبان پر ہے،یہی سوال البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein) (۱۸۷۹ء۔۱۹۵۵ء) نے اپنے لڑکپن میں کیا تھا اور اب یہی سوال یوسفی بھی اپنے مضمون "سنہ " میں اُٹھا رہے ہیں۔اُنھوں نے اِس مضمون میں سنِ عیسوی کو بنیاد بنا کر طنز کی تلوار سے تدریسِ تاریخ کے پردے میں نظامِ تعلیم اور سماجی زندگی کے آدابِ محفل کی دھجیاں اُڑا دی ہیں اور تاریخ کی وہ درگت بنائی ہے کہ مزاح کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔یوں بھی تاریخ بڑے بڑے لوگوں، بادشاہوں ،سپہ سالاروں کی سنِ ولادت و وفات یاد کرنے کا نام نہیں، بل کہ تاریخ پڑھنے سے قاری کو متعلقہ عہد کے لوگوں کی تہذیب و تمدن، رہن سہن، خوشی و غمی اور مسائل و وسائل کے بارے میں آگہی حاصل ہونی چاہیے، مگر آج بھی تعلیمی اداروں میں جس انداز سے تاریخ پڑھائی جا رہی ہے، وہ محض سنِ ولادت و وفات تک ہی محدود ہے۔اِس تحریر میں زمانۂ طالب علمی میں بادشاہوں اور جنگی واقعات کی مختلف تواریخ و واقعات کو ازبر کرنے میں جو دقتیں پیش آتی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہیں، اُنھیں یوسفی نے کمال چابک دستی سے حوالۂ قلم کیا ہے۔ خاص طور پر دامِ فکر و حافظہ میں اسیر نہ ہونے والی اِن تواریخ کے نتیجے میں طالب علموں کی بے بسی و بے چارگی کا بیان خوب مزا کرتا ہے:

> "آگے چل کر جب یہی بچے پڑھتے ہیں کہ سکندر ۳۵۶ ق م میں پیدا ہوا اور ۳۲۳ ق م میں فوت ہوا تو وہ اسے کتابت کی غلطی سمجھتے ہوئے اُستاد سے پوچھتے ہیں کہ یہ بادشاہ پیدا ہونے سے پہلے کس طرح مرا؟ اُستاد جواب دیتا ہے کہ پیارے بچو! اگلے وقتوں میں ظالم بادشاہ اسی طرح مرا کرتے تھے۔"[۳۲]

اگلے مضمون "جنونِ لطیفہ" میں یوسفی نے باورچی اور خانساماں کو مرکزِ نگاہ بنا کر واقعتاً "تلخیِ کام و دہن" کا اہتمام کیا ہے۔ اِس مضمون میں باورچیوں کے پکائے ہوئے بدمزہ کھانوں، خانساماؤں کے بروقت دست یاب نہ ہونے کی شکایت اور پریشانی کو پُرلطف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یوسفی نے اِس موضوع پر قلم اُٹھا کر نہ صرف موضوع کا حق ادا کر دیا ہے، بل کہ صورتِ واقعہ کے بیان میں طنز و مزاح کے وہ پھول کھلائے ہیں کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اُنھوں نے کھانا پکانے اور خانساماں حضرات کے ناز نخروں کے ضمن میں اِس انداز سے گفتگو کی ہے کہ کڑے سے کڑا طنز بھی قاری ہنستے ہنستے برداشت کر لیتا ہے اور یہی یوسفی کے فن کی معراج ہے۔ اِس حوالے سے خانساماؤں کی اوٹ سے یوسفی نے پڑھی لکھی اور ماڈرن بیگمات کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے۔

چارپائی کہنے کو تو ہماری روزمرہ زندگی کی ایک عام سی ضرورت ہے، مگر اِس بے مایہ سی چیز پر کیسے کیسے اُمور سر انجام دیے جاتے ہیں، کیسے کیسے رشتے بنتے، بگڑتے، پروان چڑھتے اور زوال کا منہ دیکھتے ہیں، یہ کوئی یوسفی سے پوچھے، جنھوں نے چارپائی کے موضوع پر محققانہ انداز میں سوچ بچار کر کے سماجی و تہذیبی تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اِس مضمون کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عام لوگ چارپائی کی اہمیت وافادیت سے اِس قدر آگاہ نہیں، جتنا کہ یوسفی کو علم ہے۔[۳۳] اُنھوں نے چارپائی کے طریقِ استعمال کے ساتھ ساتھ اُس کی ساخت، ہیئت اور اُس کے مختلف ناموں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یوسفی نے چارپائی کو ایک عہد کی تہذیب و ثقافت کی علامت بنا کر اِس مضمون میں گھریلو معاشرت کے جان دار مرقعے پیش کیے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ چارپائی ہماری مشرقی تہذیب کی بے مثال نشانی ہے۔ چارپائی کا ہماری تہذیب میں ایک ایسا مقام ہے کہ بلاتردد ہم اِسے اپنی تہذیب کا اشاریہ کہہ سکتے ہیں[۳۴]، یوسفی نے چارپائی کے ساتھ اپنی اُس قدیم تہذیب کو بھی یاد کیا ہے، چارپائی جس کا ایک ناگزیر حصّہ تھی۔[۳۵] الغرض یہ مضمون چارپائی کے حوالے سے یوسفی کے دلائل و تاویلات سے بھرا ہوا ہے اور پس منظر میں مصنف

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

طنز و مزاح کے شرارے چھوڑتے رہتے ہیں۔اِس مضمون کا ایک ایک جملہ لطافت اور اثر انگیزی سے معمور ہے اور یوں بھی یوسفی کے نزدیک یہ تحریر چارپائی کی تہذیبی علامت کا قصیدہ نہیں، بل کہ مرثیہ ہے،(۳۶) اِس ضمن میں اُنھوں نے چارپائی کی جملہ اقسام پر بحث کرتے ہوئے اِس کے استعمال کے مختلف النوع طریق ہائے کار کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے۔ "چارپائی اور کلچر" میں یوسفی کا مزاح عروج کی اُن بلندیوں کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے، جہاں دیگر مزاح نگار پہنچنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔(۳۷) یہ مضمون یوسفی کی جزئیات نگاری اور باریک بینی کا منہ بولتا ثبوت ہے، جسے اُن کے جان دار اُسلوب نے شاہ کار بنا دیا ہے:

> "اس عہد کی رنگارنگ مجلسی زندگی کا تصوّر چارپائی کے بغیر ممکن نہیں۔۔۔ جوان جسم کی طرح کسی کسائی ایک چارپائی جس پر دن بھر شطرنج کی بساط یا رمی کی پھڑ جمی اور جو شام کو دستر خوان بچھا کر کھانے کی میز بنا لی گئی۔ ذرا غور سے دیکھیے تو یہ وہی چارپائی ہے جس کی سیڑھی بنا کر سگھڑ بیویاں مکڑی کے جالے اور چلبلے لڑکے چڑیوں کے گھونسلے اتارتے ہیں۔اسی چارپائی کو وقتِ ضرورت پٹیوں سے بانس باندھ کر اسٹریچر بنا لیتے ہیں اور بجوگ پڑ جائے تو انہیں بانسوں سے ایک دوسرے کو اسٹریچر کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔اسی طرح مریض جب کھاٹ سے لگ جائے تو تیماردار موخر الذکر کے وسط میں بڑا سا سوراخ کر کے اوّل الذکر کی مشکل آسان کر دیتے ہیں۔اور جب ساون میں اودی اودی گھٹائیں اٹھتی ہیں تو ادوان کھول کر لڑکیاں دروازے کی چوکھٹ اور والدین چارپائیوں میں جھولتے ہیں۔اسی پر بیٹھ کر مولوی صاحب قمچی کے ذریعے اخلاقیات کے بنیادی اصول ذہن نشین کراتے ہیں۔اسی پر نومولود بچے غاؤں غاؤں کرتے، چندھیائی ہوئی آنکھیں کھول کر اپنے والدین کو دیکھتے ہیں اور روتے ہیں اور اسی پر دیکھتے ہی دیکھتے اپنے پیاروں کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔" (۳۸)

"اور آنا گھر میں مرغیوں کا" یوسفی کے جادوئی قلم سے نکلی ہوئی ایک زندہ تحریر ہے، جس میں اُنھوں نے جان ڈال دی ہے۔(۳۹) معمولی عنوان یا موضوع سے بڑے پتے کی گفتگو کرنا یوسفی کا وتیرہ رہا ہے۔یہی چیز ہمیں اِس تحریر میں بہ خوبی دکھائی دیتی ہے۔یوسفی نے اِس مضمون میں ہمیں بتایا ہے کہ مرغیاں پالنا کوئی آسان کام نہیں، بل کہ جس شخص کو یہ گمان ہو کہ اُس کی زندگی غم و آلام کا مجموعہ ہے، اُسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر میں مرغیاں پال لے، پردۂ غیب سے اُس کی زندگی میں ایسے ایسے تفکرات اور پریشانیاں وارِد ہوں گی کہ اُسے اپنی گذشتہ زندگی جنت کا نمونہ معلوم ہوگی۔یوسفی نے مرغیوں کو موضوع بنا کر معاشرتی زندگی کے بعض کمزور پہلوؤں پر ایسی گرفت

کی ہے کہ تحریر کالطف دوبالا ہو جاتاہے۔اِس مضمون میں مرغیوں کی پرورش،اُن کی وجہ سے پھیلنے والی غلاظت،مرغ کی بے وقت کی اذان کے سبب لوگوں کی نیند میں ہونے والی خلل اندازی اورسب سے بڑھ کر مرغیوں کی وجہ سے ہمسایوں سے خراب ہونے والے تعلقات ایسے معاملات کو کمال چابک دستی سے موضوعِ سخن بنایا گیاہے اور تو اور یوسفی نے مرغ کے ساتھ ساتھ مُلّا کو بھی نہیں بخشا:

"مگر یہ سب کھائیں گے کیا؟"میں نے بے صبری سے پوچھا۔

ارشاد ہوا،"مرغ اور ملا کے رزق کی فکر تو اللہ میاں کو بھی نہیں ہوتی۔"(۴۰)

کرکٹ کا کھیل جو فی زمانہ اِس دنیا میں ایک موذی مرض کی طرح پھیل رہاہے،مگر اِس کے باوجود نہ امریکی اِسے منہ لگاتے ہیں اور نہ جاپانی،بل کہ اطالوی،فرانسیسی،روسی اور چینی بھی اِس کھیل کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔گویا دنیا کی دوتہائی آبادی کرکٹ کو کھیل ہی تسلیم نہیں کرتی ۔ اِس پرطرہ یہ کہ اولمپکس (Olympics)کے کھیلوں میں بھی اِسے ہمیشہ بے دخل رکھا گیا ہے،یہی نکات جب یوسفی اپنے قاری کو سمجھاتے ہیں تو یوں لگتاہے کہ وہ سمجھا نہیں رہے،بل کہ ہنساہنسا کرمار رہے ہیں،یہی وجہ ہے کہ یوسفی نے دوسرے کھیلوں سے اِس کا موازنہ کر کے کرکٹ کی گویا ہجو بیان کی ہے۔یوسفی نے طنز،فلسفہ،سنجیدگی اور گہری نوعیت کی فکری گفتگو کرنے کے بجائے مزاح کے شوخ رنگوں سے اِس مضمون کو آراستہ کرنے کی سعی کی ہے۔(۴۱)اِس سلسلے میں اُنھوں نے جو زبان استعمال کی ہے،وہ اُنھی کا خاصہ ہے:

"ہم آج تک کرکٹ نہیں کھیلے،لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں اس کی برائی کرنے کا حق نہیں۔ اب اگر کسی شخص کو کتے نے نہیں کاٹا،تو کیا اس بدنصیب کو کتوں کی مذمت کرنے کا حق نہیں پہنچتا؟ذرا غور کیجیے۔افیم کی برائی صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو افیم نہیں کھاتے۔افیم کھانے کے بعد ہم نے کسی کو افیم کی برائی کرتے نہیں دیکھا۔برائی کرنا تو بڑی بات ہے۔ہم نے کچھ بھی تو کرتے نہیں دیکھا۔"(۴۲)

صنفِ نازک کے بارے میں ہر دور میں ادیب،شاعر اور فلسفی اپنے اپنے انداز میں گفتگو کرتے آئے ہیں ،تاہم یوسفی جب اِس خاکی مخلوق کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہیں تو فرحت وانبساط کی بارش ہونے لگتی ہے۔یوسفی نے اپنے مضمون "صنفِ لاغر"میں عورتوں کی اِس نفسیات کو موضوع بنایا ہے کہ وہ سبک اندام (Slim Smart) نظر آنے کے لیے ایسے ایسے حربے اور وسیلے استعمال میں لاتی ہیں کہ ایک عام آدمی حیرت زدہ رہ جاتاہے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

۔اِس تحریر میں یوسفی نے عورتوں کی مختلف اقسام،عادات،خال وخط اور خواہشات کو بڑے دل کش انداز میں بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی صراحت کی ہے کہ عورتیں سیاہ رنگت کو سفید،موٹاپے کو دُبلے پن اور بد ہیئتی کو خوب صورتی میں تبدیل کرنے کے لیے کیسے کیسے جتن کرتی ہیں۔اِس ضمن میں وہ سلمنگ سنٹروں اور مہنگی دواؤں کے استعمال پر اپنے شوہروں کی آمدنی کا ایک معتدبہ حصّہ خرچ کرڈالتی ہیں۔ خاص طور پر غسلِ آفتابی،جاپانی مالش،یونانی جلاّب،انگریزی کھانا،چہل قدمی،ورزش،یہاں تک کہ فاقہ کشی تک کو وہ اپنی زندگی کا لازمی حصّہ بنالیتی ہیں۔چوں کہ بدلتے ہوئے حالات اور سماجی اقدار پر یوسفی کی بڑی گہری نظر تھی،اِس لیے یہ مضمون خواتین سے متعلق اُن کے مطالعے ومشاہدے کا بہترین نچوڑ ہے۔(۴۳)

بے روزگاری،بنیادی سہولتوں کے فقدان اور بڑھتی ہوئی آبادی کے عفریت کی وجہ سے بڑے شہروں میں زندگی کرنادن بہ دن مشکل ہوتا جارہاہے۔دیہی علاقوں سے بڑے شہروں کی طرف روزگار کی تلاش میں انتقالِ آبادی نے شہروں میں زندگی کو مزید مشکلات سے دوچار کردیاہے۔شہروں کی حدود پھیلتی جارہی ہیں۔نتیجہ معلوم آلودگی کے ساتھ ساتھ دیگر مسائل نے شہر والوں کی زندگیوں کو اجیرن بنادیاہے،یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی جملہ مسائل کے ساتھ ساتھ ماحول اورآب وہوا کی خرابی کی شکایت کرتا ہوا دکھائی دیتاہے۔یہ بات جب یوسفی پل پل رنگ بدلتے اپنے شہر کراچی کے بارے میں اپنے مضمون"موسموں کا شہر"میں کرتے ہیں تو گویا طنز ومزاح کا دبستان کھل جاتاہے۔جغرافیائی اور علامتی ہر دو اعتبار سے کراچی موسموں کا شہر ہے۔اِس شہر کی محبوب مزاجی کو یوسفی نے جس انداز میں مزاح کے پیرائے میں بیان کیا ہے،اُسے نہ تواِس شہر کی تضحیک کہاجاسکتاہے اور نہ استہزا،بل کہ وہ تو اپنی فطرت میں خالصتاً مزاح وظرافت ہے۔(۴۴)اِس تحریر کی آڑ میں یوسفی نے کراچی کے باسیوں کی افتادِ طبع اور مزاج کو اپنے مؤثر اندازِ بیان کی لطافت سے گل وگلزار بنادیاہے۔یوسفی کا کہناہے کہ اپنے شہر کی برائی کرنا کوئی معیوب بات نہیں،کیوں کہ:

> "جو شخص کبھی اپنے شہر کی برائی نہیں کرتاوہ یا تو غیر ملکی جاسوس ہے یا میونسپلٹی کا بڑا افسر۔یوں بھی موسم،معشوقوں اور حکومت کا گلہ ہمیشہ سے ہمارا قومی تفریحی مشغلہ (Indoor Pastime) رہاہے۔"(۴۵)

زیرِ بحث مجموعے "چراغ تلے" کا آخری مضمون "کاغذی ہے پیرہن" دراصل جدید مصوّری کے حوالے سے چار دوستوں کی گفتگو کا احوال ہے، جس میں خواتین کی برہنہ تصاویر کو مختلف ممالک اور ادوار کی تصویر کشی کے پس منظر میں بیان کرنے کی شریر کوشش کی گئی ہے۔(۴۶)

اِس مضمون کو چار کرداروں مصوّر، مرزا، زبیر اور ساجد کی جدید آرٹ کے موضوع پر کی گئی گفتگو کو مکالماتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ فنِ تصویر کاری سے متعلق اِس تحریر میں تجریدی آرٹ اور جدید اندازِ مصوّری پر چبھتی ہوئی چوٹیں بھی کی گئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس طرح ادب زبان کا فن ہے، بالکل اُسی طرح جادوئی رنگوں کے استعمال کا نام مصوّری ہے، گویا اپنے تخیل سے اُبھرنے والی آڑھی ترچھی لکیروں میں رنگ آمیزی کرکے جان ڈالنا مصوّروں ہی کا کام ہے۔ یہ بھی گویا تلاشِ حق کی ایک کڑی ہے، جس کی بہترین مثال لیونارڈو ڈی ونچی (Leonardo Da Vinci)(۱۴۵۲ء-۱۵۱۹ء) کی تخلیق مونا لیزا(Mona Liza) کی مسکراہٹ ہے۔ اِس مسکراہٹ کو نہ تو آسودگی کا نام دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ناآسودگی کا، تاہم یہی وہ حسن ہے، جو فن کار کو فن کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے:

> "خالی خولی خلوص سے کام نہیں چلے گا۔ بچھو بڑے خلوص سے ڈنک مارتا ہے، اور بکری انتہائی خلوص سے ممیاتی ہے۔ لیکن ہم اسے فن نہیں کہہ سکتے۔ یہ نہ بھولیے کہ فن کو جتنا نقصان خلوص کے برملا اظہار سے پہنچا ہے اتنا سرکاری سرپرستی سے بھی نہیں پہنچا۔"(۴۷)

مختصر یہ کہ "چراغ تلے" کے جملہ مضامین موضوعات کے تنوّع اور مخصوص اُسلوب کی وجہ سے بہترین تخلیقات میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔ اِس مجموعے کا ہر مضمون اپنی جگہ پر ایک مزاح پارے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس کے ہر ہر لفظ اور جملے میں مزاح کی ایک کائنات حرکت کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔(۴۸) یوسفی کے فن کی داد دینی پڑتی ہے کہ اِن مضامین میں اُنھوں نے سنجیدہ دلائل میں مزاح کی آمیزش سے ایسا اُسلوبِ بیان تخلیق کیا ہے، جو اجتماعی نفسیات پر اثر انداز ہو کر انسان کو اپنی اصلاح کی جانب راغب کرتا ہے۔ اِس مجموعے کی اشاعت کے ساتھ ہی یوسفی نے اُردو کے صفِ اوّل کے مزاح نگاروں میں اپنی جگہ بنالی۔ بہ اعتبارِ موضوع "چراغ تلے" کے سبھی مضامین ہماری ارد گرد کی زندگی سے مستعار ہیں، بل کہ یہ موضوعات اِس قدر عام نوعیت کے حامل ہیں کہ اب تو ہماری "آنکھوں کے شہتیر" بن چکے ہیں،(۴۹) تاہم واضح رہے کہ اِن مضامین میں موضوع سے زیادہ

اہمیت اُسلوبِ بیان کی ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید سچائی ہے کہ یوسفی نے "چراغ تلے" سے ہی اُسلوب کی تازگی اور مواد کی ندرت وجدّت کی بہ دولت قارئین و ناقدین کے دل میں گھر کر لیا۔(۵۰) اِن مضامین میں بے جا لفّاظی اور ثقالت و مشکل گوئی سے پرہیز کیا گیا ہے۔ اِس کتاب کے مطالعہ سے یوسفی کی آئندہ آنے والی تصانیف کے رجحانات و میلانات سے بھی قاری قبل از وقت آگاہ ہو جاتا ہے۔ اِس مجموعے کی تخلیق سے یوسفی نے موضوع کے انتخاب میں اپنے پیش رو مزاح نگاروں پطرس (۱۸۹۸ء۔۱۹۵۸ء) اور رشید احمد صدیقی (۱۸۹۲ء۔۱۹۷۷ء) کی قائم کردہ روایت کو مزید استحکام بخشنے کی کوشش کی ہے۔ اُنھوں نے اِس مجموعے میں اپنے وسیع مطالعے، عمیق مشاہدے اور زبان و بیان پر حاکمانہ قدرت رکھنے کی بنا پر خود کو ایک صاحبِ طرز انشا پرداز ہونے کا اہل ثابت کیا ہے۔ بلا شبہ یہ تصنیف اپنے دامن میں طنز و مزاح کے بہترین نمونے سموئے ہوئے ہے۔

حوالہ جات

۱۔ صدف حسن، "خواتین کی مزاح نگاری (نوعیت اور معیار)"، مشمولہ قومی زبان، کراچی، جلد:۸۶، شمارہ:۱ (جنوری ۲۰۱۴ء): ص۴۹۔

۲۔ زورؔ، ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری، فنِ انشاپردازی (حیدر آباد: اعظم اسٹیم پریس، ۱۹۴۳ء)، ص ۴۵۔

۳۔ شفیع عقیل، ادب اور ادبی مکالمے (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۹۲۔

۴۔ یوسفی نے ایک انٹرویو میں شفیع عقیل کو بتایا کہ مذکورہ اخبار کا نام تو اُنھیں یاد نہیں، تاہم اُسے کوئی صابری صاحب دلّی سے شائع کیا کرتے تھے۔

۵۔ شفیع عقیل، ادب اور ادبی مکالمے، ص۱۸۹۔

۶۔ ایضاً، ص۱۹۰۔

۷۔ ایضاً، ص۱۹۰۔

۸۔ الیاس شاکر، "عہدِ یوسفی "انتقال"، روزنامہ دنیا، (لاہور، ۲۴ جون ۲۰۱۸ء)

۹۔ (۱)۔ "صنفِ لاغر"، سویرا، لاہور، شمارہ:۲۳ (۲)۔ "چارپائی اور کلچر"، سویرا، لاہور، شمارہ:۲۷ (۳)۔ "کرکٹ"، سویرا، لاہور، شمارہ:۲۹ (۴)۔ "کاغذی ہے پیرہن"، سویرا، لاہور، شمارہ:۳۷ (۵)۔ "موسموں کا شہر"، ہفت روزہ نصرت، لاہور، جلد:۸، شمارہ:۲۷، (جون ۱۹۵۹ء) (۶)۔ "تو نے پی ہی نہیں"، افکار، کراچی، شمارہ:۹۳، ۹۲ (۷)۔ "اور آنا گھر میں مرغیوں کا"، افکار، کراچی، شمارہ:۹۹ (۸)۔ "جنونِ لطیفہ"، افکار، کراچی، شمارہ:۱۰۴

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

۱۰۔ بعد ازاں یہ کتاب مکتبۂ دانیال، کراچی سے شائع ہوئی۔ علاوہ ازیں ۱۹۸۴ء میں ہندوستان سے حُسامی بک ڈپو، حیدر آباد نے بھی اِس مجموعے کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا۔
۱۱۔ سحر انصاری، "یوسفِ باکارواں"، قومی زبان، کراچی (مشتاق احمد یوسفی نمبر)، جلد:۹۰، شمارہ:۱۲، (دسمبر ۲۰۱۸ء):ص ۶۸۔
۱۲۔ طارق حبیب، یوسفیات (مشتاق احمد یوسفی۔ سوانح، فکر و فن)، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۶۰۔
۱۳۔ یہ معلومات راقم الحروف نے پروفیسر سحر انصاری سے ۲۷ ستمبر ۲۰۱۹ء بروز جمعہ بذریعہ ٹیلیفونک گفتگو حاصل کی۔
۱۴۔ غلام شبیر رانا، ڈاکٹر "مشتاق احمد یوسفی: زندگی بھی ہے مثالِ موجِ دریا"، مشمولہ قومی زبان، کراچی (مشتاق احمد یوسفی نمبر): ص ۱۵۰۔
۱۵۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور مجلسی تنقید (لاہور: جمہوری پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۷۷۔
۱۶۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے (کراچی: مکتبۂ دانیال، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۵۔
۱۷۔ احمد جمال پاشا، ظرافت اور تنقید (ٹانڈہ: نشاط پریس، ۱۹۸۲ء)، ص ۱۶۰۔
۱۸۔ انور داغ، مطالعے (بنگلور: کرناٹک اُردو اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ص ۷۹۔
۱۹۔ میر حسین علی امام "چراغ تلے" کا پہلا پتھر"، مشمولہ قومی زبان، کراچی (مشتاق احمد یوسفی نمبر)، ص ۱۷۴۔
۲۰۔ مجنوں گورکھپوری، "مشتاق احمد یوسفی کا فن"، مشمولہ اُردو کے اہم مزاح نگار، مرتبہ: اسد اللہ نیازی، (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۶۰۔
۲۱۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ص ۱۰۔
۲۲۔ اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، اُردو نثر میں طنز و مزاح، (لاہور: دارالحکمت، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۷۱۔
۲۳۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ص ۱۱۔۱۲۔
۲۴۔ محمد طاہر، ڈاکٹر، مشتاق احمد یوسفی کی ادبی خدمات، (اعظم گڑھ: شعبۂ اُردو شبلی نیشنل پوسٹ گریجوایٹ کالج، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۹۲۔۱۹۳۔
۲۵۔ ثمینہ بیگم، "مشتاق احمد یوسفی کا مزاح "چراغ تلے" کے حوالے سے"، مشمولہ سب رس، حیدر آباد، جلد:۷۵، شمارہ:۱ (جنوری ۲۰۱۳ء): ص ۴۶۔
۲۶۔ منظور ضیائی، "چراغ تلے"، افکار، کراچی، جلد:۱۷، شمارہ:۱۲۶ (فروری ۱۹۶۲ء): ص ۸۱۔
۲۷۔ مجنوں گورکھپوری، "مشتاق احمد یوسفی کا فن"، مشمولہ اُردو کے اہم مزاح نگار، ص ۱۶۱۔

۲۸۔ یہ مضمون "تونے پی ہی نہیں" کے نام سے "افکار"، کراچی، شمارہ:۹۳،۹۲ میں شائع ہوا، جو بعد ازاں "کافی" کے نام سے "چراغ تلے" کا حصہ بنا۔
۲۹۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ص۳۶۔۳۷۔
۳۰۔ ایضاً، ص۴۶۔
۳۱۔ ایضاً، ص۶۰۔
۳۲۔ ایضاً، ص۷۹۔
۳۳۔ مجیب الاسلام، ڈاکٹر، "مشتاق احمد یوسفی کا فن"، مشمولہ اُردو کے اہم مزاح نگار، ص۲۰۳۔۲۰۴۔
۳۴۔ مجنوں گورکھپوری، "مشتاق احمد یوسفی کا فن"، مشمولہ اُردو کے اہم مزاح نگار، ص۱۶۷۔
۳۵۔ مظہر احمد، ڈاکٹر، مرتب، صاحب طرز ظرافت نگار مشتاق احمد یوسفی۔ ایک مطالعہ (دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۱۰ء)، ص۲۰۔
۳۶۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ص۹۴۔
۳۷۔ مجیب الاسلام، ڈاکٹر، "مشتاق احمد یوسفی کا فن"، مشمولہ اُردو کے اہم مزاح نگار، ص۲۰۳۔
۳۸۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ص۹۴۔
۳۹۔ عینی حامد، "یوسفی۔ تنقیدی مطالعہ"، مشمولہ ماہِ نو، لاہور، جلد:۶۶ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۲ء): ص۲۹۔
۴۰۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ص۱۰۶۔
۴۱۔ محمد طاہر، ڈاکٹر، مشتاق احمد یوسفی کی ادبی خدمات، ص۱۱۲۔
۴۲۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ص۱۱۵۔
۴۳۔ مجیب الاسلام، ڈاکٹر، "مشتاق احمد یوسفی کا فن"، مشمولہ اُردو کے اہم مزاح نگار، ص۲۰۶۔
۴۴۔ مجنوں گورکھپوری، "مشتاق احمد یوسفی کا فن"، مشمولہ اُردو کے اہم مزاح نگار، ص۱۵۷۔
۴۵۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ص۱۴۴۔
۴۶۔ اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، اُردو نثر میں طنز و مزاح، ص۱۷۶۔۱۷۷۔
۴۷۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ص۱۶۵۔
۴۸۔ ابنِ اسماعیل، مؤلف و مرتب، اُردو طنز و مزاح۔ احتساب و انتخاب (سری نگر: گُلشن پبلشرز، ۱۹۸۸ء)، ص۴۷۔
۴۹۔ اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، اُردو نثر میں طنز و مزاح، ص۱۷۲۔
۵۰۔ سعادت سعید، "سوزِ نہاں" کا نیا اظہار"، مشمولہ راوی، لاہور، جلد:۸۳، واحد شمارہ (مئی ۱۹۹۶ء): ص۱۶۰۔